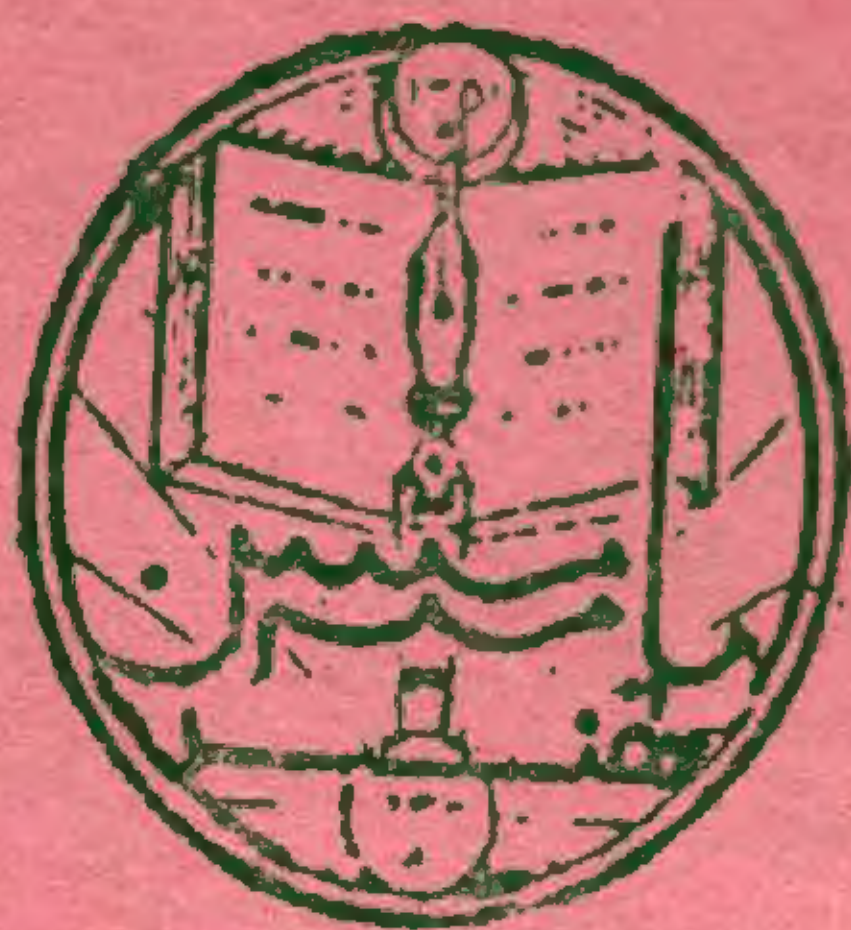


سلسلہ اشاعت امامیہ مشن ہند نمبر ۸۰۶



عبدغفر

رشحاتِ قلم

سرکارِ آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی النقیوی طابُ ثراہ

امامیہ مشن علی گڑھ

چہار دہ صد سالہ یادگار جانشین کے وصی
رسول، امیر المومنین، امام المتقین
حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام
کے موقع پر امامیہ مشن کے پیشکشے۔

عیدِ غدیر

رشحاتِ قلم

سرکارِ آیتہ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی النقیوی طابُ ثراہ

امامیہ مشن علی گڑھ

مطبوعہ:

کتاب کار،

جی۔ پی۔ روڈ علی گڑھ

فون ۲۴۴۱۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غدير خم کا واقعہ سلسلہ ۱۸ ہجری میں ۸۸۸ھ کو پیش آیا تھا، جسے عید غدیر کے نام سے امیر المومنین حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے خلیفہ رسول نامزد ہونے کی یادگار کے طور پر ہر سال منایا جاتا ہے۔

چونکہ ۸۸۸ھ ۱۸ ہجری سلسلہ ۱۸۸۸ھ شمسی حساب سے ۲۱ مارچ کو واقع ہوئی تھی لہذا ۱۸ مارچ عید نوروز کے عنوان سے منائی جاتی ہے مقصد یادگار جانشینی رسول ہی ہے۔ اور اتفاق سے ۱۸۸۸ھ میں یہ دونوں عیدیں یعنی عید غدیر اور عید نوروز مارچ ہی کے مہینے میں تھوڑے سے فاصلہ سے واقع ہوئیں لہذا مجاہد ملت سید ابن حسین صاحب نقوی مرحوم سابق سیکرٹری امامیہ مشن نے سرکار سید العلماء طاب ثراہ کا رسالہ نوروز و غدیر دو ٹوٹی عیدوں کے نام سے معنون کرتے ہوئے ۱۸۸۸ھ میں امامیہ مشن کی سترہویں دینی خدمت یادگار جانشینی وھی رسول امام برحق حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے عنوان سے شائع کیا تھا اور یہی رسالہ دوبارہ ۱۸۸۸ھ سید نظیر حسین صاحب مرحوم سابق سیکرٹری امامیہ مشن نے طبع کیا تھا۔

۱۸۸۸ھ میں ہونے والی عید غدیر اسی جشن خم غدیر کی چودہ سو سالہ یادگار کے طور پر منائی گئی تھی لہذا امامیہ مشن پھر اسی رسالہ کو جو مضمون کے لحاظ سے حسب حال بھی اور پر از معلومات بھی چہار دہ صد سالہ جشن جانشینی وھی رسول امام برحق امیر المومنین حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے موقع پر اپنی پیشکش کے طور پر شائع کر رہا ہے۔

چودہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی آج تک مسئلہ خلافت وہی ہے جہاں پہلے تھا۔
 آج تک یہ طے نہیں ہو سکا کہ خلافت جمہوری ہونی چاہیے تھی یا منصوص من اللہ۔ اگر خلافت
 جمہوری ہونی چاہیے تھی تو پھر جو مسلمانوں کے سوا دماغظم کا نظریہ ہے وہی صحیح قرار پاسکتا ہے
 لیکن اگر اسے منصوص من اللہ ہونا چاہیے تھا تو اہل تشیع کا نظریہ ہی صحیح قرار پاتے گا لیکن
 اس کا تصفیہ کیونکر ہو۔

حالانکہ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے اور اس پر غور و خوض کیا جاسکتا ہے کہ اگر نبوت
 جمہوری تھی تو خلیفہ بھی جمہوری ہونا چاہیے اور اگر نبوت من جانب اللہ تھی تو پھر خلافت کو
 بھی لازماً منصوص من اللہ ہونا چاہیے اس کے لئے مقصد بعثت پر بھی ایک نظر ڈالنی چاہیے
 کیا رسول کا مقصد بعثت ایک حکومت کی طرح ڈالنا تھا یا کچھ اور۔ آئیے کلام اللہ سے پوچھتے
 ہیں:- **هو الذي بعثت في الاميين رسولا منهم يتلوا عليهم آياته و
 يزيههم و يعلمهم الكتاب والحكمة و ان كانوا من قبل لفى ضلال مبين**
 (سورۃ جمعہ)

ترجمہ:- وہ وہی تو ہے جس نے اہل مکہ میں انھیں میں کا ایک رسول مبعوث کیا جو ان
 کے لئے آیات قرآنی کی تلاوت کرے انھیں پاک کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم
 دے اور وہ سب اس سے قبل کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

ارشاد قرآنی کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی جمہور کا منتخب شدہ نہیں تھا بلکہ
 اللہ جل شانہ کا مبعوث کیا ہوا تھا، اور اس کے فرائض تھے آیات کی تلاوت، تزکیہ نفوس
 اور کتاب و حکمت کی تعلیم اور اللہ اس عظیم کام کے لئے اپنے اس بندہ کو چاہتا تھا جو اس

(ب)

لی تخلیق کاشا ہر کار تھا جو اس کی تخلیق اول تھا جو اس وقت بھی نبی تھا جب آدم مابین اب و گل تھے، جو صاحب خلق عظیم بھی تھا اور شہر علم بھی۔

جب رسول اس شان کا تھا تو خلیفہ بھی اسی شان کا ہونا چاہیے تھا جو جزو نور محمدی ہو اور جو باب مدینۃ العلم ہو جو قرآن کے ساتھ اور قرآن جس کے ساتھ ہو۔ ظاہر ہے ایسا بندہ ہماری ناقص نگاہیں پہچاننے سے قاصر ہیں لہذا ماننا پڑیگا کہ وہ بھی انتخاب پر درگزر ہی ہونا چاہیے۔

مسلمانوں میں یہ عام تصور ہے کہ رسول اللہؐ بغیر کسی کو اپنے بعد اپنا خلیفہ نامزد کئے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے اور خلیفہ کا انتخاب خود امت نے اپنی صوابدید سے کر لیا حالانکہ حقیقت اس کے خلاف اور تاریخ بھی اس کی نفی کرتی ہے۔ مولانا روم نے اپنی مثنوی میں بھی اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس سے وہ کرب ظاہر ہوتا ہے جو مولانا روم نے اس واقعہ پر محسوس کیا۔

اہل دنیا کار دنیا ساختند
مصطفیٰ را بیکفن بگذاشتند

اہل دنیا کار دنیا کرتے رہے اور مصطفیٰ کو بیکفن چھوڑ دیا۔

بہر حال پہلا اعلان نبوت ہی پہلا اعلان نامزدگی خلیفہ بھی تھا یعنی دعوت ذوالعشرہ کا واقعہ جو آیہ واتذرعشیر تک الاخر بین کی تفسیر ہونے کی حیثیت سے جزو تفسیر بھی ہے، تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ ہونے کی وجہ سے مورخین کی توجہ کا مرکز بھی ہے اور محدثین نے بھی کتب احادیث میں درج کیا ہے۔

بعثت کے تین سال بعد حکم آیا واتذرعشیر تک الاقربین۔ یعنی اپنے

(ج)

قرابتداروں کو ڈراؤ یہ گھرانے میں تبلیغ کا حکم تھا اس کی تعمیل میں اولاد المطلب کو دعائے میں بلایا گیا اور کھانے سے فارغ ہو کر رسول مقبولؐ نے اپنی نبوت کا یوں اعلان کیا کہ آئیں بنی عبدالمطلب میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی نیکی لایا ہوں اور اللہ نے مجھے اس پر مامور کیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف بلاؤں تم میں کون ہے جو اشاعت دین میں میرا دست و بازو بنے وہی میرا بھائی میرا وصی اور میرا جانشین ہوگا۔

اس اعلان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جانشینی رسول میں عوام کو قطعی اختیار نہیں تھا تمام مجمع خاموش رہا اور صرف حضرت علی بن ابیطالب نے کھڑے ہو کر اس مہم کے لئے اپنی خدمات کا وعدہ فرمایا اور حضرت رسولؐ خدا نے علی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا ”بس یہی میرا بھائی میرا وصی اور میرا جانشین ہے تم سب کو اس کی اطاعت لازم ہے۔ طبری کی عربی عبارت یوں ہے: ”ان هذ اخي ووصي و خليفتي فيكم فاسمعوا و اطيعوا“ (تاریخ اسلام، سید العلماء) جلد ۱ ص ۸۷ تا ۸۹)

اسی پر ختم نہیں ہے بلکہ جنگ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ کو ساتھ نہیں لیا اور لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ حضورؐ آپ سے خفا ہیں تو حضرت علیؑ نے رسولؐ سے دریافت حال فرمایا جس کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یا علیؑ کیا تم راضی نہیں ہو میسرے نزدیک تمہاری وہی منزلت ہے جو موسیٰؑ کے نزدیک ہارونؑ کو تھی بس فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (خصائص نسائی)

اور سب سے آخر میں حجۃ الوداع سے واپسی پر جب مدینہ کی طرف چلنے کے لئے مکہ سے باہر آئے اور مقام غدیر خم پر پہنچے تو حکم الہی پہنچایا، یا ایہا المرسلین بلغ ما نزل الیک من ربک وان لم تفعل فسا بلغت رسالتہ۔

ترجمہ :- اے رسول پہونچا دیجئے وہ جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا جا چکا
اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو رسالت کا کوئی کام ہی نہیں کیا،
آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم پہلے بھی آچکا تھا اور روایت سے
بھی پتہ چلتا ہے لیکن تبلیغ کا وقت مقرر نہ ہوا تھا مگر اب وہ وقت بھی آگیا اور وہ
مقام بھی آگیا جہاں اس حکم کی تعمیل ہونی تھی اگر حضرت اس جگہ سے آگے بڑھ جاتے تو
توپھرا تنا بڑا مجمع کبھی نہ ملتا اس لئے باوجود سخت گرمی اور ٹھیل میدان کی تیز دھوپ کے سب
جمع کئے گئے حکم رسول پالان شتر کا منبر بنایا گیا رسول منبر کی چوٹی پر حضرت علیؑ کو ساتھ
لے کر تشریف فرما ہوئے اور ایک بسیط خطبہ ارشاد فرمایا جسے شیعہ و سنی سب علماء نے
درج کیا ہے۔

رسول اللہؐ نے فرمایا ”میں جس کا مولا ہوں اس کے یہ علیؑ بھی مولا ہیں اور ساتھ
ہی علیؑ کو ہاتھوں پر بلند کر کے مجمع کو دکھلا بھی دیا۔ پھر بعد نماز ظہر ایک خیمہ نصب کرا کے حضرت
علیؑ کو اس میں بٹھایا گیا اور کل از دواج و اصحاب کو حکم دیا گیا کہ جا کر حضرت علیؑ کو امیر المومنین
کہہ کر سلام کریں اور جانشینی رسولؐ کی مبارکباد دیں۔

چنانچہ اس پر عمل بھی ہوا اور حضرت عمر بن خطاب کے الفاظ تاریخ نے محفوظ
کر لئے ”بیخ یخ لك یا علیؑ اصبحتم مولا ی مولا کل مومن ومومنة۔
مبارک ہو مبارک ہو یا علیؑ آپ میرے بھی مولا ہوتے اور کل مومنین اور
مومنات کے مولا ہوتے۔“ (تاریخ اسلام جلد ۲، سید العلماء ص ۱۲ تا ۱۳)

اہل سنت کے مآخذ: عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری۔ عینی الغرائب القرآن
نیشاپوری، حافظ ابن مردویہ، حافظ ابو نعیم، اصابہ۔ ابن حجر عسقلانی، مسند احمد بن حنبل

ہمیرۃ حلیہ - نور الدین حلی شافعی، تاریخ (بوالعدا)

در اصل یہ رسالہ سرکار مرحوم کے تین مقتدر مقالات کا مجموعہ ہے جو علی الترتیب
مبلغ لکھنؤ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ الی اعظ لکھنؤ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ اور شیعہ لاہور
۱۳۴۸ھ میں شائع ہو چکے تھے۔

والسلام
تفسیر المحسن نقوی
آنریری جنرل سیکرٹری
امامیہ مشن

۱۷، نیشنل کالونی

علی گڑھ

اکتوبر ۱۹۹۰ء

برائے ایصال ثواب

۱۔ سید محبوب علی صاحب مرحوم ابن سید شمس علی صاحب مرحوم

۲۔ فخر جہاں بیگم مرحومہ زوجہ سید محبوب علی صاحب مرحوم

۳۔ ظفر جہاں بیگم مرحومہ بنت سید رونق علی صاحب مرحوم

۴۔ جمال فاطمہ صاحبہ مرحومہ بنت سید محبوب علی صاحب مرحوم

(د)

غزوة بدر و فوج و ز

قرآن کی آخری آیت اور اکیس سال کا غنیمت

حضرت سید العلماء کے موعظہ ۲۲ ذی القعدہ ۱۳۵۱ھ روز یکشنبہ کا مختصر فقہی (۱)
قرآن مجید کے متعلق جہاں تک مفسرین علمائے اسلام کے متفقہ بیانات پر
نظر ڈالی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی ترتیب شان نزول کے مطابق نہیں
ہوئی ہو بلکہ اس میں اول کا آخر اور آخر کا اول ہو گیا ہو اور اسی اختلاف
ترتیب کا نتیجہ تھا کہ موجودہ صورت میں اسکی ابتداء و انتہاء بھی محفوظ نہیں
رہی ہے۔

ابتداء قرآن مجید کی یعنی سب سے پہلا سورہ کہ جو جناب رسالت پر
نازل ہوا تھا وہ سورہ اقراء ہے اور سب سے آخری سورہ نازل ہوا ہے وہ سورہ
مائدہ ہے اور اس میں بھی سب سے آخری آیت ایوم اکملت لکم دینکم
وانتم مت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ہے۔

(۱) مبلغ لکھنؤ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ۔

اگرچہ بعض مفسرین نے سورہ توبہ کو آخری سورہ قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہوا سئلے کہ سورہ توبہ ۹۷ھ میں نازل ہوا ہے جبکہ سالِ ثانی نے حج نہیں کیا تھا بلکہ امیر المومنین کو حکم امتناعی کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ کیا تھا کہ آئندہ سے مشرکین اگر خانہ کعبہ کا پرہیز طواف نہ کریں اس کے بعد رسول سال بھر زندہ رہا اور آخر سال ۹۷ھ میں حجۃ الوداع کی فرض کو انجام دیا اور سورہ مائدہ اسی حجۃ الوداع میں نازل ہوا ہے۔ تو پھر سورہ توبہ آخری سورہ کہاں قرار پا سکتا ہے؟

ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہی ہے کہ آخری سورہ مائدہ ہوا اور اس میں آخری آیت الیوم اکملت لکم دینکم ہے جو ۱۸ روزی الحجہ کو نازل ہوئی اس وقت کہ جب رسالت اللہؐ نے مقام غدیر خم میں علی بن ابیطالبؑ کی وصایت کا اعلان کیا اور اگر غور کیا جائے تو آیت خود بھی اپنے آخری ہونے کا اظہار کر رہی ہے۔

احول فصاحت و بلاغت کے رو سے جس طرح ابتدائے کلام میں ایسا تذکرہ ہوتا ہے جو اصل مقصد کو بتلاتے ہوئے افتتاح پر دلالت کریں اسی طرح اختتام میں ایسے الفاظ ہوتے ہیں جو اختتام کو ظاہر کریں۔ قرآن مجید کی ابتدا ہوتی انرا باسم ربك الذي خلق پڑھو خدا کا نام لیکر۔

اس سے اشارہ ہوا کہ اب قرآن کا افتتاح ہوتا ہے اور اس لئے مخاطب کو
قرأت پر آمادہ کرتے ہوئے خدا کا نام لینے کی ہدایت ہوئی جو ابتداء کی
خصوصیت ہو ا کرتی ہے۔

اتھا اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ائمين
اكملت اور اتممت کی دونوں لفظوں سے تمام و کمال کا پتہ
دیا گیا اور یہ کہ اب جو کچھ پونچھا تھا پونچ چکا اور جو کچھ شریعت کی تکمیل
ہوتا تھا ہو چکی، رسول کی زندگی میں بھی اسلئے کہ قرآن مجید پورا اتر چکا اور
رسول کے بعد کی بھی اسلئے کہ بعد کا انتظام علی کی وصایت کے اعلان سے
کرا دیا گیا۔ اس طرح اکمال دین اور اتمام نعمت ہوا اور اس طرح اسلام
دین مرضی الہی قرار پایا۔ یہ تھا وہ مبارک دن جسکی عظمت کا احساس
اسلام والوں کے علاوہ غیر و نکو تھا چنانچہ تفسیر و تفسیر حافلہ لبرین
سیوطی میں ہر عن ابی العالیۃ قال کانوا عند عمر قد کروا هذا الا
فقال رجل من اهل الكتاب لو علمنا ای یوم نزلت هذه الاية لا
تخذناہ عیداً فقال عمر الحمد لله الذی جعل لنا

عید ۱۔

حضرت عمر کے سامنے اس آیت کا تذکرہ ہوا، ایک شخص نے اہل کتاب
(یہود) میں سے کہا اگر ہم کو معلوم ہوتا یہ آیت کس دن نازل ہوئی ہو تو ہم تو

اس کو عید قرار دیتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے اس کو عید قرار دیا ہے، جتنے واقعات مختلف ایام میں ہوتے ہیں ان کے لئے دو حیثیتیں پائی جاتی ہیں ایک حرکت قمر کے اعتبار سے اور اس کے تغیر و تبدل کی حیثیت سے جو مہینہ کے مختلف اوقات میں ہوتا رہتا ہے اور ایک آفتاب کی حرکت سے کہ جس کا دورہ سال بھر میں ختم ہوتا ہے اور جس کے ذریعہ سے اوقات و فصول میں تغیر و تبدل ہوتا ہے۔

شرعیات اسلام کے احکام میں جہاں تک نظر کی جاتی ہے ان کی بنیاد زیادہ تر قمری حساب پر قرار دی گئی ہے اس لئے کہ اس کا انقباض ذاتی مشاہدہ و احساس پر مبنی ہے جس میں خواص و عوام مساوی درجہ رکھتے ہیں اور اس طرح ہر شخص اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر اپنے اعمال کو صحیح طور سے بجالا سکتا ہے برخلاف آفتاب کی حرکت اور اس کے منازل کے، وہ سوائے منجین اور علماء افلاک کے کسی کو سمجھنے کی چیز نہیں ہیں اور اس لئے عام افراد کے لئے ان پر عمل آسان نہیں ہے۔

لیکن یہ اس اہم واقعہ و صائیت امیر المؤمنین کی خصوصیت تھی کہ اس میں قمری و شمسی دونوں حسابوں کو معتبر قرار دیا گیا، قمری حساب کے تاریخ ۱۸ رذی الحجہ قرار پائی جس کا نام عید غدیر ہوا اور شمسی حساب کے چونکہ اس تاریخ جب یہ اہم واقعہ رونما ہوا آفتاب نقطہ اعتدال پر پہنچا تھا

جو برج حمل میں اُسکے داخلہ کا مرادف ہر اسلئے سال کی تاریخوں میں
یہی دن کہ جب آفتاب برج حمل میں داخل ہوا اور اعتدال کا وقت آئے عید قرار
پایا جس کا نام نوروز ہے اور پھر اتفاق سے امیر المومنینؑ کی خلافت ظاہری
بھی اُسی دن تھی جبکہ معنی یہ ہیں کہ آفتاب خلافت اپنے نقطہ اعتدال پر آیا
تھا جس کے اندر افراط و تفریط کا شائبہ نہیں لاشرقیہ ولا غربیہ بلکہ
جو امت وسط کا صحیح مصداق ہے۔ اسلئے ہی رمز کے طور پر ہمیشہ ہمیشہ
کیلئے اس دن کو یادگار قرار دیدیا گیا اور آفتاب خلافت کے نقطہ
اعتدال پر پہنچنے کی یاد دہانی میں ہر سال جب آفتاب نقطہ اعتدال
پر پہنچے اُسکو مسلمانوں کے لئے عید مقرر کر دیا گیا۔



آفتاب خلافت کا نقطۂ اعتدال

خلافت یا جانشینی رسول کو اس کے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے دیکھو تو وہ کبھی امیر المومنین سے جدا نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی، وہ ایسی شخصیت تھی جتنی جاسکے یا زبردستی اس پر قبضہ مخالفانہ قائم کیا جائے، مال و دولت صندوقین بند کر کے مضبوط و مستحکم مکانات میں مقفل کر کے رکھا جا اور اس کی حفاظت کے لئے پیرے بٹھائے جائیں لیکن کسی متجرب عالم کا علم، جنگ آزمائشی شجاعت کی شجاعت، دریا دل سخا کی سخاوت کبھی اس کی محتاج نہیں ہونی کہ اس کو پردوں میں چھپا کر اور صندوقوں میں مقفل کر کے محفوظ کیا جائے یا اس کے متعلق چور اور ڈاکوؤں کی دست برد کا اندیشہ ہو۔

حقیقۂ خلافت کے معنی یہ ہیں کہ رسول کی وفات کے بعد ایک شخص انکی جگہ کو پر کر دے، باین معنی کہ اخلاق و کمالات میں اس طرح رسول کی مقوی ہو کہ گویا دنیا کو معلوم ہو کہ رسول دنیا سے اٹھ گئے ہیں، شریعت کو معلوم نہ ہو کہ مبلغ شریعت موجود نہیں ہو، اسلام کو معلوم نہ ہو کہ اس کا مؤسس عالم بین الیقین قرآن کو معلوم نہ ہو کہ اس کا حامل خصلت ہو گیا سنت کو معلوم نہ ہو کہ

در سالہ الوا غط لکھنؤ بابۃ ذی القعدۃ ۱۳۴۵ھ جلد ۹ نمبر ۴

اُسکا پورا نیا باقی نہیں رہا، مختصر یہ کہ فریضہ اصلاح و نظام عالم میں
 جن چیزوں کو دخل ہے اسکی حیثیت سے وہ اپنے پیش رو بنی کا اس تک
 سہیم و شریک ہو کہ تبلیغ احکام اور حفظ شریعت میں کی طرح نقص و فتور
 نہ ہونے پائے، اگرچہ ذاتی و شخصی کمالات کے اعتبار سے دونوں یوں
 میں اتنا تفاوت ضروری ہوگا جتنا خود منصب ^{شیخ} علیہ السلام میں تفرق موجود ہے
 مذکورہ بالا حقیقت کو دیکھتے ہوئے خلافت کسی مقرر کیے ہوئے وظیفہ
 یا عطا کئے ہوئے منصب کا نام نہیں ہے بلکہ ان شخصی اور ذاتی کمالات کا نام
 ہے جو خالق کی طرف سے کسی مخصوص بندہ میں ولایت کر دیے گئے ہیں اور جو مبداء
 خلق و کون میں اسکی ذات سے مخصوص ہو گئے ہیں، وہ نہ کسی علیحدہ
 کرنے سے علیحدہ ہو سکتے ہیں، نہ کسی کے جھینے سے چھین سکتے ہیں!
 اس مفہوم کے اعتبار سے اگر امیر المومنین کی شخصیت پر نظر ڈالی جاتی
 ہے تو وہ اپنی زندگی کے ہر دور، اپنی عمر کی ہر ساعت، ہر دقیقہ، ہر ثانیہ
 میں رسول کے خلیفہ و جانشین نظر آتے ہیں، کس کو یہ طاقت حاصل ہے
 کہ وہ اس خلافت کو علی بن ابی طالب سے علیحدہ کر سکے۔
 یقیناً سخت غلطی ہے اگر میں علی بن ابی طالب کی اس خلافت کے متعلق کسی
 تاریخ یا دن کی تعیین کر دوں، تو دور ہو، یا غدیر، یا بیعت العشرہ کی محفل ہو یا
 انما دیکم اللہ کا موقع، ان میں کوئی بھی علی کی جانشینی کی تاریخ

نہیں ہی بلکہ درحقیقت یہ سب وہ اشتہارات و اعلان ہیں کہ جو عام افراد کی اطلاع کے لئے شائع کیے گئے ہیں،

چونکہ خلافت باطنی اور مخفی حقیقت ہے جس کی تشخیص معمولی افراد بشر کا کام نہیں ہی بلکہ وہی ہستی کہ جو نوع بشر کے آپ گل کی خلق کرنیوالی تھی اس رمز و حقیقت پر مطلع ہو سکتی ہو ایسے ایسے شخص کی تعین کرنا بھی اُسی علام الغیوب ہستی کا کام ہے اور اسی لئے اُس نے رسول کی معرفت عالم بشری تک اپنے نتیجہ انتخاب کی اطلاع پہنچائی اور متعدد طریقوں سے عنوان بدل کر اسکی تبلیغ کرائی، من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ، امانا ولیکم اللہ ورسولہ ہذا وصیتی و خلیفتی۔ علی منی بمنزلہ ہرون من موسیٰ وغیرہ وغیرہ آیات و اخبار کے ذریعہ سے علی ابن ابیطالب کی خلافت کو امت اسلامیہ تک پہنچایا گیا ہے۔

بیشک جس طرح رسول اپنی زندگی میں مسلمانوں کے روحانی بادشاہ ہیں اور ان کا تمام نظم و نسق، سیاہ سفید حضرت کی حکم کا تابع ہے (النبی اولیٰ بالموثنین من انفسہم) اسی طرح انکا جانشین اور خلیفہ کہ جو انکے مراتب کمال کا حامل اور فرائض مینیہ کا حافظ ہے خدا کی جانب سے امت کا شوق ہے کہ امت کی تمام حکومت اس کے ہاتھ میں ہو اور وہ اپنی مرضی کے مطابق انکے انتظامی اور تمدنی فلاح و نجات کا سامان بہم پہنچائے، یہ ظاہر ہی

آئینہ جو خلافت الہیہ کے ساتھ ساتھ خلیفہ و امام کیلئے ثابت ہوتے ہیں اور چونکہ ان کا تعلق ظاہری شان و شوکت اور حکومت سلطنت سے ہوا سلسلے مختلف افراد کی طمع و حرص اور ظلم و تعدی کا مرکز بن سکتے ہیں اور ظاہری نظریں اسی کو واقعی خلافت اور جانی خیال کرتے ہوئے یہ کہنا جائز سمجھتی ہیں کہ امیر المومنین سے خلافت علیحدہ کر لی گئی یا غیر مستحق افراد نے اُسے قبضہ کر لیا اور ہمارے اس مضمون میں بھی آئندہ جب خلافت کی لفظ نظر آئے تو اُس سے انہی معنی کو مراد سمجھنا چاہیے۔

رسالتِ مآب کی وفات کے بعد جو انقلاب ہوسے اور انہیں حقائق و واقعات کا جس طرح خون کیا گیا اسکا تذکرہ مقصود نہیں، یا رخ ان کام واقعات کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے، خلافت نے اپنے حقیقی مرکز سے ہٹ کر کتنے بھیس بدلے اور کیسی مختلف صورتیں اختیار کیں؟ وہ تمام ان سیاسی واؤن پیچون کا نام ہو گیا جن کے ذریعے مسلمانوں کی جماعت کو بھڑون کی طرح اپنے مقصد کے موافق نہکایا جاسکے۔



ہر شے کی ایک میعاد ہوتی ہے، نا انصافی، خود غرضی، اینٹوں کی جانبداری، مقدار و ن کے حقوق سے چشم پوشی، اتم رسیدہ مطلوبوں کے فریاد و شیون سے چشم پوشی، اتہاک، ہتک، چلی تھی، مسلمانوں کے صبر ضبط کا پیمانہ چھلکا

اور اُس نے خلیفہ وقت کے سفینہ حیات کو غرق کر کے چھوڑا۔
 یہ اقدام کتنے بھی حق بجانب شکایات کا نتیجہ ہو لیکن اتنا ضرور ہے کہ
 نامناسب تھا، امیر المومنین کا تین برس تک خون جگر پیتے رہنا اور صبر کرنا
 اسی لئے تو تھا کہ تلوار کھینچنا اسلام کے مجتمع شیرازہ کے منتشر مونی کا باعث
 اور مسلمانوں کی خون ریزی کا سبب بنے ورنہ وہی تلوار کہ جس نے جوانی میں حضرت
 ابن عبد و دو کا خون بہایا اور بدروا حد شیر و خندق کو فتح کیا اور بڑھاپے
 حمل و صفین و نردان کے میدانوں میں اپنے جوہر دکھا کر دشمنوں کو دلچسپ
 سکھایا وہی ادھیڑ میں بھی علی ابن ابی طالب کے پاس موجود تھی نہ
 اسکی بارگاہ کتبہ ہوئی اور نہ امیر المومنین کے بازوؤں کی سکت میں کمی ہوئی
 تھی پھر اتنی طویل مدت تک مختلف قسم کے ظلم و انذا بلکہ توہین و تذلیل کا برداشت
 کرنا اسی لئے تو تھا کہ اسلام کی بندھی ہوئی مٹھی کھلنے نہ پائے، اسی وجہ سے
 آخری دور میں جن افراد نے خلیفہ وقت کے قتل کا اقدام کیا ان کو بھی
 امیر المومنین کی طرف سے کوئی مدد نہیں دی گئی بلکہ متعدد مرتبہ درمیان میں پڑ کر
 قتل کی آگ کو خاموش کیا اور غصہ میں بھرے ہوئے حملہ آور کو بجھا بجھا کر شہاد
 لیکن افسوس ہے کہ واقعات نازک سے نازک تر صورت اختیار کرتے
 گئے اور آخر قصر حکومت کی زمین فرمانروائے خلافت کے خون سے
 رنگی ہوئی نظر آئی، اب در مسلمانوں کی آنکھیں کھل چکی تھیں تبارکی سے

دم اُٹا گیا تھا روشنی کی تلاش تھی، اُسکے لٹوڑھونڈھنے کی ضرورت نہیں
 تھی، غدیر کے عمومی اعلان کی آواز ایسی نہ تھی جو ایک تہہ فضا میں گونج کر
 فنا ہو جائے، یہ تو کہو کہ اب تک عراض نفسانیہ، تعصبِ عداوت، خوف
 و ہمدید اور جبر و ظلم لوگوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال کر انکے ضمیر کے خلاف
 ڈھکیل رہے تھے لیکن اگر ان کے باطنی جذبات اور نفسانی کیفیات کا
 جائزہ لیا جاتا تو صاف معلوم ہو جاتا کہ وہ خود اپنے نزدیک گناہگار
 تھے، یقیناً ان کی آنکھوں کے سامنے غدیر کے میدان کا مرقع ہر وقت
 پھرتا اور کانوں میں وہ پردہ آواز گونجتی ہوگی، اب تو موانع برطرف
 ہو چکے تھے، سچ حق کی تلاش تھی اور خلافت کو اُسکے حقیقی مرکز تک
 پہنچانا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ظاہر کو باطن سے، لفظ کو معنی سے
 کرنا منظور تھا، آئے اور سیدھے اسی مرکز پر آئے جہاں پہلے آنا چاہیے تھا
 علی بن ابیطالب کے دروازہ پر مہاجرین و انصار کا ہجوم ہو گیا اور شخص کی
 یہی خواہش کہ اب آپ اپنی حقیقی جگہ پر تشریف لائیں اور حفظِ شریعت اور
 ہدایتِ خلق کا فریضہ جو اب تک پردے میں رہ کر ادا کر رہے تھے اب سند
 خلافت پر ممکن ہو کر ظاہری صورت میں ادا فرمائیں تاہم و اقیات میں
 جو شخص جوڑ پیو لگانا چاہتا ہوا اور غیر مرتب متفرق باتوں کو ایک سلاک
 میں مسلسل سمجھنے کا عادی ہوا اسکو اس موقع پر حیرت و استعجاب کی انتہا

نہیں رہتی کہ امیر المومنینؑ ایک وقت میں خود سے خلافت کے طالب تھے ،
 ایک ایک کے دروازہ پر جا جا کر پھر روی و نصرت حاصل کرنا چاہتے اور عام طور
 سے اپنے حق کا اعلان کرتے تھے جس کی وجہ سے نہ معلوم کتنی مصیبتوں اور
 سختیوں کو بھی برداشت کرنا پڑا آج وہی امیر المومنینؑ ہیں کہ مہاجرین و انصار
 چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ، الحاح و اصرار کی انتہا نہیں لیکن علی
 بن ابی طالبؑ کسی طرح خلافت کو منظور نہیں کرتے اور انکار ہی کر رہے ہیں
 بات یہ ہے کہ وہ وقت جب امیر المومنینؑ اپنے حق کی رو سے خلافت کے طالب
 تھے وہ تھا کہ جب تہذیب و تمدن رسولؐ کی آنکھ بند ہوئی تھی حضرت کے روحانی تعلیمات
 کا اثر مسلمانوں کے دلوں پر دور نہ ہوا تھا ، علی بن ابی طالبؑ کی سیرت
 اور ان کا طرز عمل بھی بالکل وہی تھا کہ جو ان کے استاد اور مربی رسالتؐ کا
 اسوہ حسنہ تھا ، یقیناً اگر اس وقت مسند خلافت پر علی بن ابی طالبؑ متمکن
 ہو جاتے تو دنیا کو معلوم بھی نہ ہوتا رسولؐ کب نیا سے اٹھے ؟ وہی انصاف و عدل
 وہی تبلیغ احکام اور حفظ شریعت ، وہی رحم و کرم اور رواداری ، وہی تواضع
 و قوانین اسلام کی پابندی و محافظت ، مسلمان تو اسی طریق حکومت کے
 عادی تھے ہی ، یقیناً عالم گہوارہ امن و امان ہوتا اور حقیقی اسلام منتہا ترقی
 کے ساتھ عالم میں منتشر ہوتا مگر اس وقت علی کی شنوائی نہ ہوئی ، تاہم خلافت
 کو دوروں کی انتظام حکومت میں جتنی کمزوریاں بھی ہوں لیکن احوال مسلمان

اور حقوق عامہ الناس میں کوئی کھلی ہوئی فرد گزاشت نہ تھی اور ظاہری صورت
میں ایک حد تک مساوات کا خیال رکھا جاتا تھا، اسی وجہ سے تیسرے خلیفہ
کے انتخاب کے موقع پر بھی امیر المومنین نے پوری قوت کیٹھا اپنے حق خلافت
کا اعلان کیا اور دلائل و براہین کے ذریعہ سے اپنے استحقاق کو ثابت کر دیا
لیکن جبکہ لوگوں نے خلافت کو امیر المومنین کے سامنے پیش کیا اور حضرت
سے اصرار کیا تو یہ وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کی عادتیں خراب ہو چکی تھیں
مسلمانوں کے حقوق میں عدم مساوات، جا بیداری اور بیجا رعایت اموال
مسلمین قبیلمندی فیاضی کے ساتھ تصرف کا دور دورہ تھا، اسلامی مساوات
اخوت اور ان اکرمکم عند اللہ اتقنکم کی حقیقت بالکل لوگوں کو
فراموش ہو چکی تھی اور کسی کو اس کا احساس نہ تھا تاہم مناصب بڑے
عہدے بنی اُمیہ کے قبضہ میں تھے، اموال مسلمین کے وہ بلا شرکت غیر مالک
بنادے گئے تھے اور جو لوگ زیادہ حاضر و بار رہتے تھے اور بارگاہ معلیٰ میں
تقرب حاصل کر لیتے تھے ان کو تمام مسلمانوں سے زیادہ بیت المال کو خزانہ
کا استحقاق ہوتا تھا، بڑے بڑے اسلامی بلا دینی اُمیہ کے زیرین کئی جاہکے
تھے، ان تمام واقعات نے حقیقت خلافت کو اس قابل نہیں رکھا کہ امیر المومنین
اسکو اپنے ہاتھ میں لیں، حضرت ان حالات اور تغیرات کو پورے طور پر
سمجھ ہوئے تھے جو اسلامی مزاج میں رونما ہو گئے تھے، وہ خوب جانتے تھے

کہ میں اگر اس وقت خلافت کو منظور کروں تو کبھی کامیابی کیساتھ شریعت الہیہ اور احکام اسلامیہ کے راستہ پر اس کو نہیں چلا سکتا، اسی وجہ سے مہاجرین و انصار کے حد سے زائد اصرار پر آپ بھی فرماتے رہے کہ اکون وزی الخیر لکم من ان اکون امیرا، تمہارے لئے میں امیر ہوں، اس سے بہتر یہ ہے کہ امیر کوئی اور ہو میں اس کا وزیر ہوں اسلئے کہ وزیر کا فرض مشورہ دینا ہے لیکن ذمہ دار وہ شخص ہے کہ جو تخت امارت پر ممکن ہر آخر میں امیر المومنین کو منظور کرنا پڑا اور اس کا باعث صرف ایک تھا، اور وہ یہ کہ مہاجرین اور انصار کے منتہائی اصرار اور اسل علان کے بعد کہ ہم آپ کو امتثال اور اطاعت پر آمادہ ہیں انکی خواہش کو رد کرنا گویا انکی طرف سے تمام محبت کا باعث تھا اور ان ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے جو ایک حقیقی رہنما خلق کے متعلق خداوند عالم کی طرف سے مقرر ہیں اگر حضرت اس موقع کو ہاتھ سے جانے دیتے تو خدا کی بارگاہ میں جواب دہ ہونا پڑتا۔

امیر المومنین کی خلافت کی علیسیائی کی نظیر

عبدالمسیح انطاکی ملک عرب کے مشہور مؤلفین و مصنفین میں سے تھا اور مصر کے ارباب تسلیم میں خاص مرتبہ رکھتا تھا، ایک عرصہ تک جریدہ العمران کے ذریعہ عربی تاریخ ادب کی خدمت کی اور تقریباً ۱۹۲۱ء میں داعی اجل کو لبیک کہا

اسکو اسلامی واقعات سے خاص دلچسپی تھی اور کئی سال تک مالک اسلامیہ کا دورہ کر کے اسلامی معلومات کو حاصل کیا تھا جس کی بہترین نتیجہ قصیدہ علویہ جو جو درحقیقت اسکی عمر کا عظیم ترین کارنامہ کہے جانیکا مستحق ہے، ہم نے دو سال قبل اخبار برکت راز کے رجب نمبر میں اس قصیدہ کے خصوصیات پر کافی روشنی ڈالی ہے لیکن چونکہ اس کو عرصہ گزر گیا اور یقیناً وہ خصوصیات اکثر ناظرین کو محفوظ نہ ہون گے لہذا اس موقع پر اتنے حصہ کا نقل کرنا ضروری ہے۔

”قصیدہ علویہ عبدالمسیح النطاکی کے ان زریں کارناموں میں سے ہے جن پر دنیا کے تصنیف ایک مدت تک فخر کرنے کا حق رکھتی ہے امیر المومنین کی مفصل و مبسوط سیرت، حقائق اسلام پر تبصرہ، حکومت و خلافت پر غیر جانبدارانہ خیالات کا اظہار، بعثت رسول کے قبل عرب کے اخلاق و عادات رسالت مآب کی سچی تعلیم کے تاثرات، اسلامی تاریخ کے اہم نکات پر منصفانہ بحث، ان تمام مطالب کو... صفحہ کی کتاب میں اس عنوان کے ساتھ جمع کیا گیا ہے جسکی نظر اسکے قبل بلنا دشوار ہے، یقیناً امیر المومنین کی سیرت میں کسی مسلمان نے ابھی تک اس گرانقدر فرض کو اس طرح ادا نہیں کیا تھا جس طرح ایک عیسائی نے اس فرض کو ادا کیا ہے، اس پر طرہ یہ ہے کہ ادبی حیثیت..... سے

اسکو علمی سائنس کا حیرت انگیز کرشمہ کہنا چاہئے، اتنی مبسوط کتاب جس میں تمام واقعات و حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے ایک قصیدہ کے ضمن میں اس طرح نظم کرنا کہ شروع سے آخر تک ایک ہی ردیف و قافیہ باقی رہے یقیناً ادبی دنیا میں پہلا نمونہ ہے یہ قصیدہ انج ہزار پانچ سو پچانوے (۵۵۹۵) اشعار پر مشتمل ہے جنہیں تکلف و تصنع کا لگاؤ نہیں اور خالص عسری زبان کا لطف بھی موجود ہے پہلا شعر سے ۱۹۱۹ء تک دو برس کے عرصہ میں اٹھکی تصنیف ہوئی ہے اور ۱۹۲۰ء میں مطبع عجمی (نجاہ) ممبئی طبع ہو کر شائع ہوا ہے۔ "سر فراز لکھنؤ جلد ۴، نمبر ۲۸) غالباً اس بیان سے قصیدہ علویہ کے خصوصیات واضح ہو گئے ہونگے، اسی قصیدہ میں فاضل مولف نے امیر المومنین کی خلافت اور مہاجرین و انصار کے خیالات کی جن لفظوں میں کھینچی ہے ان کو اس مقام پر نقل کرنا چاہتا ہوں، میں نہیں سمجھ سکتا کہ اردو ترجمہ میں وہ لطف کہاں سے پیدا کروں کہ تمام ناظرین اصل شعار کے ممتاز خصوصیات کا اندازہ کر سکیں۔

مامات عثمان الاوا الصیاحی

بین الاعاربا عطا القوس بارہا

حضرت عثمان کا مرنا تھا کہ ملک میں شور برپا ہو گیا، اب کہاں اسی کو بنانیوں کے ہاتھ میں دو یعنی خلافت اسکے اصلی حقدار تک پہنچاؤ

انا نروم اماماً عالماً فقیہاً
وعلى الشريعة واستقصى معانيها
ہم ایسا امام چاہتے ہیں جو علم و قہمت کے ساتھ احکام شریعت کا حافظ اور
اسکے معانی کا احاطہ کئے ہو۔

وحاکماً عادلاً للحق مختصراً
به تنال رعایا لا تساوٰیہا
وہ ایسا عادل حاکم ہو جو ہمیشہ حق کا طرفدار رہا اور جس کے دور میں رعایا کی
اندر مساوات کا درجہ حاصل رہے۔

وسیلاً ما لقی عن رعیتہ
فان ائنتہ تفاہیہ یفاہیہا
ایسا سید و سرور کہ جو کبھی اپنے تئیں رعیت سے بلند نہ سمجھے اگر رعیت اس سے
اگر مومنہ بات کرنا چاہے تو وہ کشادہ پیشانی کے ساتھ باتیں کرے
آبادہ ہو۔

واملا اشتراکیا ما نزلت
ای الہدی وکما فذلہ وجہا
اور وہ اشتراکی رہنما کہ جو آیات قرآن اور ان کے آثار نیوالے کے منشاء کے
مطابق حکم کرتا ہو۔

تختار من لایحاجی بین اُمتہ
اذا تنازع سفلیہا وعلویہا
ہم اسکو پسند کرتے ہیں جو بڑے اور چھوٹے شخص کے مقابلہ کی وقت جانبداری
اور رورعایت کو صرف نہ کرے۔

تختار من لاییری تمیز عترتہ
عن اَریالہ و یومایعایہا

ہم اسکو پسند کرتے ہیں جو عام رعیت پر اپنی اولاد تک کو مقدم نہ سمجھتا ہو اور
انکے ساتھ کسی قسم کی ناحق مراعات کو جائز نہ سمجھے۔

فخّار من تعرف الیہاء کرۃ ومن یصل علی الاعدا وینکیہا
ہم اسکو پسند کرتے ہیں جس کے تاثر توڑ حملہ کو میدان جنگ پہچانے ہوئے
ہو اور جو دشمنوں پر حملہ کر کے انکے دلون کو بر باد تیا ہو۔

فخّار من یرد ری الاموال یحقّ زحلا وینذلہا برا لعا۔ فقہ
ہم اسکو پسند کرتے ہیں جو مال دنیا کو بے حقیقت سمجھتا ہو اور اس کو دریاوں
سے فقرا و مساکین پر صرف کرے۔

فخّار من کان للہای الرسوا کما نکات الاخوة اخلاق ان نرا عیہا
ہم اسکو پسند کرتے ہیں جو رسول کا بھائی ہو اور اسل خوت کا
حفاظت کو سب سے زیادہ ضروری ہے۔

خنا الذی ربہ قد خاۃ ورسو لہ وخیر نہ ہوا التضییہ
ہم نے اسی کو پسند کیا ہے جس کو خدا اور اس کے رسول نے منتخب کیا
ہو اور اسی کے انتخاب کو آؤ ہم بھی امضا کریں۔

کذا کانت جموع المسلمین نیا دی بعضہا البعض ما حلی تنایہا
یہ باتیں یقین جو مسلمانوں کی جمیعت میں ایک دوسرے کو پکار پکار کر ہو رہی
یقین اور حقیقت کتنی شیریں باتیں یقین۔

وبانہا لیل امت دار حیدرۃ بمالذیہا من الا مال تزجیہا
 سب کے سب بکیر و تہلیل کی آوازوں کے ساتھ علی بن ابیطالب کے گھر کی طرف
 چلے اور امیدیں ان کے قدموں کو بڑھا رہی تھیں۔
 وزمرۃ من جہ القوم قد خلت علی العلی و حیاہ محییہا
 اور ایک ممتاز جماعت باوجاہت اشخاص کی اس بلند مرتبہ امام کی پختہ
 آئی، اور آداب تسلیم کو ادا کیا۔
 فیہا زبیر و فیہا طلحہ و سہل علی ہذین ممن سہوا فی الغر تزجیہا
 ان میں طلحہ و زبیر اور ان کے علاوہ ملک عرب کے بہت سے موجد اشخاص تھے۔
 قالت ممالکنا ذال یوم شاعرۃ وانت صحر بنی اللہ تحمیدہا
 عرض کیا کہ ہمارا ملک پر اس شوب ہو گیا ہے اور آپ ہی اسے رسول
 کے داماد اب اسکی حفاظت کر سکتے ہیں۔
 بادر لہجہ تنا و اقبل مارتنا فضلا وانا الی علیاک غدیہا
 ذرا بڑھ کر ہماری داد رسی کیجئے اور احسان کر کے امارت کو قبول فرما لیجئے اور
 ہم اسے آپ ہی کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔
 ناد اہم یمنوا غیری فانی قد زہدت فیہا و امواستجیہا
 حضرت نے پکار کر فرمایا کہ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ کیونکہ مجھ کو اس حالت
 کی پرواہ نہیں اور ان اشخاص کی طرف توجہ کرو جو ان کے دل سے طالب ہوں۔

انما استقبلوا امر مصاعبها لها وجوه تغشيتها طواريرها
 ہمارے سامنے ایسا سخت مرحلہ ہے کہ جبکہ شائد طرح طرح کے پہلو
 رکھتے ہیں

انما قلتم ولا غامض في عطفة بروقها ما اختفى عنى تلوينها
 تمہارے افق پر سیاہ بادل چپائے ہوئے ہیں اور یہ برس کر رہیں گے،
 انکی چمکتی ہوئی بجلیوں کا بیج و ختم ہمیں مخفی نہیں ہے
 وقد تنكرت السبل التي صحت تنكر ابيات الاضلال واليهما
 واضح راستے ہدایت کے اس طرح اجنبی بن گئے ہیں کہ گمراہی اور گمراہی
 کا اندیشہ ہے۔

فان اجبت فاني راكب بكم طرقا بعلی یجا فیہا عجا فیہا
 اگر میں تمہاری خواہش کو قبول کروں تو یقیناً تم کو اپنے علم کے مطابق ایسے
 راستوں پر چلاؤں گا جس سے پہلو تہی کرنے والے پہلو تہی کرتے ہیں
 ولست اصغى الى قول ومعبة مادمت احكام رب العرش جریفا
 اور ہرگز میں کسی کے کہنے سننے یا راض ہونے کے پرواہ نہ کروں گا جب تک کہ
 خدائی احکام کا اجرا کرتا رہوں۔

وان ترکتم علیا من ولائکم فانی واحد من بین اہلینہا
 اور اگر تم علی کو اپنی حکومت سے معاف کر دو تو میں معمولی افراد میں سے ایک

شخص کی حیثیت سے بسر کر لجاؤں گا۔

وقل اکون وایم الله اکثرکم سمعاً و طوعاً و اخلاصاً و الیہا
اور خدا کی قسم شاید میں تم سے زیادہ حاکم وقت کے احکام کی اطاعت
و سرمان برداری کرنے والا ہوں گا۔

وان اکون وزیراً فی امارتہ خیر لکم فد عونی من تولیاً
میرا وزیر ہونا کسی دوسرے حاکم کے لئے تمہارے واسطے بہتر ہے لہذا مجھ کو
حکومت کے قبول کرنے سے معاف کرو۔

قالوا ولین لہا الا ابو حسن یجری سفینتہا امنا و یرسیہا
سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ابو الحسن (علی) کے سوا کوئی اس کو نہ چلا
سے نکال کر ساحل تک نہیں پہنچا سکتا،

انا نناشدک الله ایہ من ان تعید للشر السیما نلا لہا
ہم آپ کو خدا کی قسم دیتے ہیں کہ آپ شریعت اسلام کی چمک
کو از سر نو تازہ کر دیں۔

وان تمدید ابیضا لامتنا بما تعقوا الی ماضی تصافینہا
اور اس امت کی طرف نصرت کا ہاتھ بڑھا کر اس کے صاف اور خوشگوار
ماضی کو دوبارہ پیدا دیں۔

الا تری ملک ولا سلام فی خطر دان ونکتہ صبی نلا فیہا

کیا آپ مملکت اسلامیہ اور خود اسلام کو خطرہ میں نہیں دیکھتے اور وہی
مصیبت میں مبتلا ہو جسکی تلافی بہت مشکل ہے۔

الا تخاف الیہا انت تعبدہ فی امة بائعہ قد ناطت امانہا

کیا آپ اپنے معبود حقیقی کا خوف نہیں ہو اس پوری اُمت کے بارے میں
کہ جو آپ سے لو لگائے ہوئے ہے۔

ولم یزالوا بہ حتی اصباح لہم معاود عوتھم امسی ملیئھا
اور وہ لوگ یونہی اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت نے انکی تمنا پر
توجہ نہ سہی اور انکی خواہشوں کو قبول کیا۔

حتی علی فضلہ امت صالح امیر المؤمنین عجل اللہ تعالیٰ فرجہ

یہاں تک کہ سب نے حضرت کی مدح و ثنا کرنا شروع کی اور آواز دی کہ

اے امیر المؤمنین اے سردار عسکر۔

امیر المؤمنین فضلہ کی بنایا دعا داخلہ بدیعہ اخلاص نو دیہا

ایسا کہ پھر پھیلائیے کہ ہم سب بیعت کریں اور آپ ہماری مخلصانہ بیعت

قبول فرمائیں۔

فقال فی عقر ادری لست اقبل منکم بدیعہ خفیہ یا مستبیعہا

حضرت نے فرمایا کہ اے بیعت کے طالب لوگو! میں اپنے گھر کو اندر مخفی حیثیت سے
بیعت حاصل کرنے کو کسی طرح منظور نہیں کر سکتا۔

وانما المسجد المبرور موضعها والناس تشهد عاظيها ومعطيها
 بے شک مسجد نبی مین کہ جو مبارک ہے مقدس مقام ہے جس میں حق پر کہ تمام لوگ
 حکومت کے لئے وائے اور دینے والے کا مشاہدہ کریں۔

فاسرعوا بالعلیٰ لم تضحیٰ اھا فزع الشریعینھا مغنیھا
 علی بن طالبؑ کے ساتھ تیزی کے ساتھ سب کے سب فرحت و سرور کے
 گیت گاتے ہوئے روانہ ہوئے۔

والناس من حولہ بدی بشارھا من بعد ان بلغت فیہ تمینھا
 لوگ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے اپنی خوشی کو جذبات کو ظاہر کر
 رہے تھے چونکہ انکی آرزو حضرت کے متعلق برآئی تھی۔

حنی اذا ما انت تحت المسجد النبوی بایعنه وماضنت بایدھا
 یہاں تک کہ مسجد نبوی میں پہنچ گئے تو سب نے حضرت کی بیعت کی اور کسی نے
 ہاتھ بڑھانے میں نجل نہیں کیا،

وہکذا اصواء ولا نا العالیٰ میرا المومنین و ساء العرب حامیھا
 اور اس صورت سے ہمارا بلند مرتبہ امام تمام مومنین کا امیر قرار پایا اور عرب کی
 سرزاری انکے سچے حمایت کرنے والے کو حاصل ہوئی۔

وسرہ الخلق من عرب من عجم بہ وفاضت علی الدنیاھا ینھا
 تمام خلق خدا عرب عجم کو اس سے مستر ہوئی اور دنیا میں شی و تہنیت کا زور ہو گیا،

خلافت الہیہ و سیاسی ملکیت میں تفرق

پیکر حقیقی جانشین رسول کے حجازی حبیب

خدا کا رسول دنیا میں کسی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم کرنے نہیں آیا تھا، نہ وہ ایسے شاندار قصر وں کی تعمیر کرنا چاہتا تھا جن کے کنگرے سطح فلک سے مقابلہ کرتے ہوں، نہ وہ کوئی خزانہ جمع کرنے کی ضرورت سمجھتا تھا جس میں تمام اطراف ارض کا خراج سمیٹ کر ذخیرہ کیا جائے، نہ وہ ایسا شاندار لباس پہننا باعث افتخار سمجھتا تھا جس کی چمک مکے سے دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوں، بے شک اگر یہ وردگار عالم کی نظر میں ان ظاہری اشیاء کے لئے کوئی اہمیت حاصل ہوتی تو قصر و کسریٰ سب سے زیادہ حقدار تھے کہ ان پر وہ اپنا پیغام نازل کرتا، ملک عرب کے بڑے بڑے سرمایہ پرست کافی وجوہ رکھتے تھے کہ وہ ان کو اپنا سفیر مقرر کرے لیکن یہ کیا تھا کہ اُس نے بنی ہاشم کے گھرانے میں سید ابوطالب کے پروردگار پروردگار کے عہدہ کے لئے منتخب کیا اور نبوت کا اعلیٰ منصب اس کے متعلق کیا۔ تمام سربراہان

راخبار شیخ لاہور سارا رجب ۱۳۲۸ھ ج ۵ نمبر ۲۵

قریش اور اربابِ حشم و غم کی گزشتہ اس ہستی کے سامنے خم کر دین کیا اس لئے
 کہ ان کے اقتدار سے مافوق ایک نیاوی سلطنت قائم کرنا منظور تھا؟
 ہرگز نہیں، اگر ایسا ہوتا تو وہ قادر تھا اپنے پیغمبر کے لئے مکہ و مدینہ کے
 ہیاڑوں کو طلائے خالص بنا دیتا اور زمین کے سنگریز و زرو جواہر
 بنجاتے لیکن اس کے برخلاف رسول نے اپنی زندگی بھر دونوں وقت
 شکم سیر ہو کر کھانا بھی نہ کھایا، شاہی محل اور سلطانی قصر کیسے! رسالتِ
 کے گھروں کی تو یہ شان تھی کہ حسن بصری تا قیل ہیں مین بچنے مین سول کے
 گھروں کے اندر جایا کرتا تھا تو چہیت کو اپنے ہاتھ سے چہولیتا تھا روفا الوفا
 مسجد کا شاہی دربار جس میں ارکان دولت کا اجتماع ہوتا تھا اس میں
 سلطان دین و دنیا کے پاس بیٹھنے والے وہ اشخاص ہوتے تھے جن کے پاس
 پہنچنے کی سبوت کپڑا بھی نہ تھا۔ اس سیرت کو دیکھتے ہوئے یہ بات کسی
 ثبوت کی محتاج نہیں رہتی کہ خدا کا رسول ملوکانہ زندگی بسر کرنے کیلئے
 نہیں بلکہ بنی نوع بشر کو حقائقِ توحید سے مطلع کرنے اور دنیا کو درس
 اخلاق دینے کے لئے آیا تھا، وہ مادہ کی ظاہری شانِ شوکت کو توڑ کر
 روحانیت کے جذبہ کو ترقی دینا اپنا فرض سمجھتا تھا اور اول دور
 سے لیکر آخری وقت تک اس کا نصب العین یہی رہا۔

رسول کی آنکھ بند ہوئی اور موت نے اُسکے ظاہری فیوض کو مسلمانوں
 سے سلب کیا جس کے ساتھ ہی اخلاق و عادات، جذبات و اخلاق میں
 عجیب و غریب انقلابات پیدا ہو گئے، روحانیت کی جگہ مادیت نے لینا
 شروع کی اور حقائق پرستی کے بجائے سرمایہ پرستی نے اپنا عمل قائم کر دیا
 قیصر و کسریٰ کے ممالک فتح ہوئے، ایران کی نازک مزاجی، ظاہر واری
 فضول خرچی کا اثر غیر متحدن عربوں نے لیا اور مال غنیمت کی کثرت نے
 خزانوں کے دامن کو زرد و جوہر سے ملو کر دیا۔ اب کیا تھا، بید روی سے
 اسلام کی دولت صرف کی جانے لگی اور اسلامی خصوصیات پر خلاف ملکیت
 اور چابکدستی کا دور و دورا شروع ہو گیا، مستحقین کے بجائے مسلمانوں کا مال ملکی سیاست
 اور ذاتی اغراض کا ذریعہ قرار پا گیا۔

—۱۰۰—

”سیاست“ اپنے حقیقی معنی میں بہت خوشگوار اور قابلِ وقت لفظ ہے،
 یہ درحقیقت اُس انتظامی قابلیت کا نام ہے جو مبادیائیں کی طرف مبنیت
 و اجتماع کی حفاظت کیلئے کسی انسان میں ودیعت کی جاتی ہے اور جس کے
 آثار اصلاح ملک و ملت کے ضمن میں ظاہر ہوتے ہیں۔

لیکن افسوس ہے کہ جس طرح بہت سی فیطنیں اپنے غلط استعمال کی
 وجہ سے بے وقعت ہو گئی ہیں اسی طرح سیاست کا لفظ اپنے اُسے محلِ موارِد

استعمال کی بدولت اصلی مفہوم سے ہٹ کر دوسرے معنی کا قالب بن گیا ہے سیاست کے معنی جدید اصطلاح میں اپنے مقصد کو حق ناحق ہر طریقہ سے کامیاب بنانا اور اس کے حصول میں جن طریقوں کی بھی ضرورت ہو ان کا بلند حوصلگی کے ساتھ استعمال کر کے اس مقصود کو حاصل کر لینا۔

خدائی مدرسہ اخلاق و تمدن کے تعلیمیافتہ افراد میں سیاست کو جنبہ کو مذکورہ بالا حیثیت سے تلاش کرنا کھلی ہوئی غلطی ہے، نہ یہ کہ وہ سیاست کے پیچیدہ رموز و اسرار سے ناواقف ہو کر کرتے ہیں، مگر گزشتہ بلکہ اس لئے کہ ان کو دیانت و امانت کی فرائض اور خدائی قانون کو دفعتاً اجادت نہیں دیتے کہ وہ ان طریقوں کا استعمال کریں، وہ تو قدم قدم پر اپنے خدا کی مرضی کے جو یا اور اس کی خوشنودی کے طالب ہو کر کرتے ہیں اور اپنی حرکت سکون بلکہ گردش چشم اور جنبش زبان میں اس بات پر نظر رکھتے ہیں کہ اس قانون کی خلاف ورزی ہونے پائے جسکے وہ پابند بنائے گئے ہیں، اس فلسفہ کو حکیم الاسلام امیر المومنینؑ نے چند کلموں میں اس طرح ادا فرمایا ہے واللہ اعلم الدین لکننت اداھی لعرب۔ دنیا پرست افراد اپنے مقصد کے حصول میں ہر جائز و ناجائز طریقہ کا عمل میں لازماً ضروری سمجھیں، لیکن شریعت الہیہ کے محافظ اور دینی احکام کو نگہبان افراد کی طرح ان طریقوں کو اختیار نہیں کر سکتے جن کے متعلق مذہبی احکام اجازت نہیں

وہیے اگر سیاست سے ناواقفیت اسی کا نام ہو تو ہم بہت کشادہ پیشانی کے ساتھ اس کے تسلیم کرنے کے لئے موجود ہیں۔ دنیاوی بادشاہوں، مادہ پرست ارباب اقتدار میں اگر تم سیاست کے اس مفہوم کو تلاش کرتے ہو تو کچھ بچا نہیں، مگر خلافت الہیہ کے مالک اور شریعت مقدسہ کے محافظ افراد کے حالات زندگی اور طرز عمل میں اس مفہوم کی جستجو کرنا دانشمندی بہت بعید و صی در حقیقت بنی کا جائز نہیں ہوا کرتا ہے لیکن جائزیتی سے مراد صرف ظاہری مسئلہ پر بیٹھ جانا یا منبر پر رسول کی جگہ کو پر کر دینا نہیں بلکہ اعمال اخلاق اور سیرت میں بالکل رسول کی تصویر ہو کر دنیا کے سامنے ہونا رسول بن کر ظاہر ہونا ہی جسکی وجہ سے رسول کی جگہ پر ہو جا یاں معنی کہ اخلاق و کمالات کی حیثیت سے و صی اس طرح نور رسالت کا آئینہ بن جائے کہ گویا دنیا کو معلوم نہ ہو کہ رسول عالم میں موجود نہیں ہیں، یہ حقیقی معنی جائزیتی کے ہیں جس پر صفت پائی جائے وہی حقیقی جائزیت رسول کے جائز کا مستحق ہے۔

سیاحتیہ

رسالت اکبر کی وفات کے بعد جو انقلابات پیدا ہوئے انھوں نے شریعت اسلامیہ کی صورت کو بہت کچھ بدل دیا تھا اور روحانیت کے بجائے مادیت کی نوک پر طور پر اپنا عمل قائم کر لیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارباب اقتدار کی طرف سے سیاسی صدر کی پختیل کے لئے اسلامی روپیہ عالی جو صلی کی تھام صرف کیا جانے لگا

مخصوص حوالی موالی اور رشتہ داروں کا خیال تمام مسلمانوں کے مقدم رکھتے ہوئے
اہل اسلام کے مشترکہ اموال کو معدیے چند افراد سے مخصوص کر دیا گیا، حضرت
عثمان کا دوران خصوصیات کی حیثیت سے پورا امتیاز رکھتا ہے۔

مصر، عراق، شام تمام اطراف خاندان نبی اُمیہ کے تسلط و اقتدار کا مرکز
بن گئے مروان بن الحکم جو رسول کی زندگی میں بکراہت کے بعد بھی خلیفہ اول و خلیفہ
ثانی کے عہد تک مدینہ کے اندر داخل ہونے سے ممنوع تھا وہ ذاتی مصلح کی بناء پر
اتنا سر چڑھایا گیا کہ خلافت اسلامیہ کا نظم و نسق اس کی چشم وایرو کے اشارہ کا تابع
ہو گیا آرمینیا کا ملک فتح ہوا ہی اور اس کا پورا خمس مروان کو ہبہ کر دیا جاتا ہے
عبد اللہ بن خالد بن اُمیہ سنگدستی کا اظہار کرتا ہی اس کو سو لاکھ درہم بیت المال
سے سپرد کر دیئے جاتے ہیں، حکم بن ابی العاص جس کی گردن میں رسول کی زبان
سے لعنت کا طوق بڑھ چکا تھا وہ مدینہ میں لاکر مقربین بارگاہ میں داخل کیا گیا اور
اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ حقوق مسلمین ایک لاکھ درہم بھی اس کو عطا کر دیئے گئے، مروان
کے بھائی حارث بن حکم کو ”تہر زنامی“ ایک منہ ضع لکھ دیا گیا حالانکہ سالناب انبی مذکی
میں اس کو مسلمانوں کے لئے تصدق قرار دے چکے تھے خود مروان بن حکم کے نام قدر
لکھ دیا گیا حالانکہ یہی وہ باغ ہی جس کے لئے فاطمہؑ ہر علیہا السلام نے پہلے دو زمین بھی
میراث کی بناء پر اور بھی عطیہ رسول ہو چکی روسوا احتجاج کیا مگر ان کے قول کو روک دیا گیا
اور اس کو مسلمانوں نے لٹو وقف بتایا گیا، لیکن تیسری دو زمین حکم بدل گیا اور اسے

مروان بن الحکم طرید رسول کی ملکیت قرار دینا جائز سمجھا گیا، مدینہ کے ارد گرد حنفی
 سرسبز و شاداب زمینیں تھیں وہ سب حکومت کی طرف سے اپنے لئے مخصوص قرار
 دیدی گئیں اور سوائے نبی امیہ کے کسی شخص کو مسلمانوں میں بیچ و بان مویشی لیجا کر
 جانے کی اجازت نہیں رہی، افریقہ غزنی دطرابلس مغرب سے لیکر طنجہ تک فتح ہوا
 اور جتنا بھی مال خراج وہاں سے آیا وہ سب بلا شرکت غیرے عبد اللہ بن ابی
 سرح کو عطا کر دیا گیا، معاویہ کے والد ابوسفیان بن حرب کو بیت المال سے
 دو لاکھ روپیہ دیے گئے اور یہ اسی دن کا تذکرہ ہے کہ جب ان کو ایک لاکھ دہم
 ملے تھے جس پر زید بن ارقم خازن بیت المال نے کنجیان لاکر سامنے رکھ دیں
 اور رونا شروع کیا، حضرت عثمان نے کہا کہ تم اس لئے روتے ہو کہ میں اپنے ذرا
 داروں کی احانت کی، زید نے کہا ایسا نہیں بلکہ میں اس خیال سے رو رہا کہ اپنے مسلمانوں کا
 مال غیر مستحق اشخاص کے سپرد کیا، اگر مروان کو سو درہم بھی دیئے جاتی تو بہت تھے
 اور ابوسفیان کو ایک درہم بھی ملتا تو زیادہ تھا کیونکہ یہ دونوں ہمیشہ سے
 اسلام کے ساتھ جنگ کرتے رہے، عیوض اسکے کہ ان کلمات کے پہلے لیا جاتا جواب
 ملا کہ اچھا کنجیان رکھو، بیت المال کی خزینہ داری کے لئے کوئی دوسرا شخص مل
 جائیگا اسکے علاوہ ابوسوسن اشعری نے عراق سے اموال خراج کو بھیجا وہ تمام نبی امیہ
 کے درمیان تقسیم کر دیا گیا اس قسم کے واقعات کثرت ہیں جنکو اگر تفصیل سے بیان کیا
 جائے تو ایک طویل مضمون درکار ہے۔

بنی امیہ کے ساتھ ان تمام رعایتوں کا منشا، صرف سیاسی مصالح تھے اور یہ غرض تھی کہ بنی ہاشم کے مقابلہ میں گروہ کو پوری طاقت حاصل رہے اور دامن خلافت تک کوئی پہنچ آنے لگے تو یہ لوگ سینہ سپر ہوں شام میں معاویہ اور ان کے جانشین سلاطینِ ظلام و فقرہ کی سیاسی بارش کو بہت ترقی دی، ان کا نقطہ نظر ذرا وسیع تھا، وہ صرف بنی امیہ کے جذب قلوب پر اکتفا نہ کرتے ہوئے تمام اشراف قبائل اور رؤسا قریش کی رضامندی کو حاصل کرنا چاہتے تھے اور اکثر وہ اپنے طلائی اور تقرنی سکوں سے اپنے مقاصد میں کامیاب بھی ہو جاتے تھے، اگر ذرا غور سے ان تمام سلاطین کے حالات زندگی میں غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ انکی غرض سوائے اپنے ذاتی مصالح اور سیاسی اغراض کو اندر کچھ نہ تھی اور اپنے مقصد کے حصول میں کسی مذہبی یا اخلاقی قانون کا لحاظ ضروری نہ سمجھتے تھے، یہی ملوکانہ سیاست اور دنیاوی طریق حکومت ہے جس سے اسلام کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

بیتِ نبویؐ

اس سب کے مقابلہ میں جب امیر المومنین کے طرز حکومت حالاتِ زندگی پر نظر کیجائے تو بے ساختہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کا اقتدار نہ جو اہر کی بارش کا زمین منت اور سیاسی طریق عمل کا زیر بار احسان نہیں ہے، آپ

اپنے پیشی حضرت رسول اکرم کی طرح خالص روحانی سلطنت کی بنیاد قائم کرنا چاہتے تھے جس میں بقیع اور ریاء کاری، جذبہ فاری کا نشان نہ ہو سکتا تھا۔
 پایا جاسکتا، مسلمانوں کے بیت المال کو حضرت ایک مانت سمجھتے تھے جو خالق کریم کی طرف سے آپ کے ہاتھ میں تحقیق تک پہنچانے کے لئے ودیعت رکھی گئی ہو، کیا ممکن ہے کہ اس میں سے ایک حصہ بھی بلا احتیاق کسی کو دیدیا جائے، ایک طرف شام میں قبیلہ قریش کے بڑے بڑے افراد کیلئے خزانوں کے منہ کھلے ہوئے تھے اور جو شخص بنی ہاشم سے منحرف ہو کر حاکم شام کا دوست ہو جائے وہ مال دنیا سے مالا مال ہو جاتا تھا لیکن دوسری طرف قرآن مجید کی تعلیم کا خیال اور سنت رسول کی پابندی پیش نظر تھی، تمام مسلمانوں میں مساوات جو شریعت اسلامیہ کا طرہ امتیاز ہے اور جس کو کتاب خدا نے انما المؤمنون اخوة لہم واضح کیا تھا، اس سے امیر المؤمنین ذرہ برابر ہٹنا نہ چاہتے تھے، یہاں تک کہ اس مساوات کے حضرت کی اولاد، بھائی، بھتیجے، اور دیگر عزیز قریب بھی مستثنیٰ نہ تھے، عقیل جو حضرت کے حقیقی بھائی تھے انھوں نے کتنا چاہا کہ ان کے مقررہ وظیفہ میں کچھ اضافہ کر دیا جائے مگر کسی طرح امیر المؤمنین نے منظور نہ کیا، سابقہ دور میں قرابت داروں اور قوم قبیلہ والوں کے ساتھ مخصوص رعایتیں عقیل کو بہت دلدار ہی تھیں کہ وہ بھی اپنے بھائی سے اس قسم کی رعایتیں

کے نواسٹکار ہوں لیکن علی بن اسطالب کی طرف ہی جواب ملتا تھا کہ
 بیت المال تمام مسلمانوں کا حق ہے مجھ سے مخصوص نہیں ہاں میں بھی مسک
 مسلمانوں کے برابر لینے کا مستحق ہوں، اگر تم کہو تو میں اپنے حصہ میں سے تمکو
 دیدون، عقیل کا اصرار زیادہ ہوا، حضرت نے فرمایا کہ جمعہ کو مسجد میں بنا کر قوت
 مجھ سے ملتا کرو، روز جمعہ جب مسجد نماز گزاروں سے مملو ہو گئی اور حضرت
 نماز و خطبے فارغ ہوئے تو عقیل کو اپنے پاس بلا کر ارشاد فرمایا، کیوں
 تمہارے نزدیک جو شخص ان سب لوگوں کی خیانت کرے وہ کیا ہے؟
 عقیل نے کہا کہ اس سے بدتر کوئی شخص نہیں، امیر المومنین نے ہنس کر فرمایا
 ”تم مجھ سے ہی تو چاہتے ہو کہ میں ان سب کی خیانت کروں اور تم کو نام

لوگوں کے حقوق میں سے مخصوص امتیاز دیدون“
 یہ کچھ روز بھر سکوت کرنے کے بعد عقیل نے اپنی خواہش کا اعادہ کیا اور ابی
 مرتبہ اولاد کو لیکر حضرت کی خدمت میں آئے جبکہ چہرون سے فقر و فاقہ
 کے آثار نمایاں تھے، حضرت نے پھر اپنے حصہ کو جو بیت المال سے مقرر تھا
 دینے پر آمادگی ظاہر فرمائی۔ اور جب انھوں نے اسے منظور نہ کیا تو حضرت
 نے فرمایا کہ شام کو میرے پاس آنا، جب وہ وقت آیا عقیل حضرت کی
 خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ایک ٹکڑا لوی کا جو آگ سے گرم کیا ہو رکھا
 تھا اُن کے ہاتھ پر رکھا، عقیل فریاد کرنے لگے کہ آپ مجھ کو آگ سے کیوں اذیت

دیتے ہیں؟ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ تم ایک لوہے کے ٹکڑے سے جو دنیا کی معمولی آگ سے گرم کیا گیا ہے اتنا گھبراتے ہو اور مجھ کو چاہتے ہو ایسی آگ میں بھجوجے خدا نے اپنے قہر و غضب سے روشن کیا ہے۔

کو تاہ نظر اور ظاہر بین افراد امیر المومنین کے اس طرز عمل کو چاہے سیاست اور اصول حکومت کے خلاف تصور کریں لیکن اگر عقل انصاف کی روشنی میں دیکھا جائے تو علی بن ابیطالب کا طرز عمل سلامتی اصول مساوات کا بہترین نمونہ ہے، کیا امیر المومنین سے اسکی توقع کی جاسکتی ہو کہ وہ بھی مثل سابق دور کے تمام بیت المال کو اپنے اعزہ و اقارب کے مخصوص کر دیتے اور تمام مسلمان اس سے محروم کر دیتے جاتے، علی بن ابیطالب اپنی خلافت میں ملوکانہ سیاست کے استعمال کے محتاج نہ تھے، ان کی خلافت خلافت اکہیہ تھی اور روحانی طاقت و قوت پر اس کا دار و مدار تھا۔

==

عالم انسانیت کا مسلم اعظم

آفتاب لاکھوں بار زمین کے گرد گردش کرے یا زمین کروڑوں تہ آفتاب کے گرد چکر لگائے، لیل و نہار کے سیاہ و سفید ورق اپنے تمام دلائل نقوش کے ساتھ سامنے آئیں اور گذر جائیں اور افراد انسانی کیلئے اپنا وجود صفحہ تاریخ میں محفوظ کر جائیں، انسانی نسل کے قافلہ اس منزل میں اتریں، رہیں سہیں اور سفری ہو جائیں لیکن ”د انسان کامل“ یا عالم انسانیت کے معلم اعظم کی تلاش تکرہ ہمیشہ ایک محدود ہی دائرہ کی طرف رہنمائی کرے گی جس میں وسعت کاسپہ اور کثرت تعداد کا نشان نہیں۔

ہر قوم اپنے لوگوں کے افراد رکھتی ہو جبکہ وہ اپنے کامل ترین افراد کی فہرست میں پیش کر سکتی ہو اور انہیں بھی جب انتخاب کیا جائے تو سب سے زیادہ کامل تر ہستی ایک ہی ہوگی جو اس خط ارتقاء کا انتہائی نقطہ سمجھی جاسکتی ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ اقوام عالم میں باعتبار اپنی صداقت روحانیت اور خصوصیات روحانی کے سب سے زیادہ مکمل قوم اسلام کی قوم تو یہ بھی

(۱) سرسرا از رجب مہر ۱۳۵۲ھ

تسلیم کرنا ضروری ہو گا کہ اس قوم کی ”کمال ترین“ یا ”سب سے بڑی ہستی“ وہی ہونا چاہئے جو تمام ”عالم انسانیت“ میں یکساں طور پر ”معلم اعظم“ سمجھی جاسکے۔

دنیا مادہ پسند ہے اور مادی اشیاء پر جان دیتی ہے، مسلمانوں کے عام افراد بھی اپنے بشری اقدار طبع کی بناء پر اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ رہتے، انھوں نے عظمت کا معیار ظاہری شان و شوکت، اکثریت، انتظامی معاملات میں ظاہری سوجھ بوجھ اور رست و کشتاد، نظم و نسق کی قابلیت کو سمجھ لیا اور اسی کے سامنے تسلیم خم کرنے لگے لیکن اگر خود اسلام ایک علمی قانون ہے، اگر اس نے اقوال سے زیادہ اعمال کو اہمیت دی ہے۔ اگر وہ اپنے ماننے والوں کی ترقی روحانی اور تہذیب نفسانی اور اخلاقی شایستگی کا ذمہ دار ہے تو اسکی مکمل ترین ہستی وہی ہو سکتی ہے جو ان تعلیمات کا مکمل نمونہ اور علمی مجسمہ ہو جس نے اپنے افعال و اعمال و زندگی کے ہر حرکت و سکون سے دنیا کے لئے ایسے نمونے پیش کئے ہوں جن کی موافقت شایستگی ا لاق اور تہذیب نفس جامعہ بشری کی شیرازہ بندی اور امن و امان، زندگیانی ملی کے خوشگوار و کامیاب بنانے کی ضامن ہو، یہی ہستی وہ ہو سکتی ہے جو ”دنیا کے اسلام کے“ انسان کمال یا ”عالم انسانیت کے معلم اعظم“ کا لقب پانے کی مستحق ہو۔

رسول اسلام نے اپنے تعلیمات کی ایک روح مکتی کہ جو بھول کی اور
طرف و استعداد کے مطابق ہر ایک نے اس روح سے اثر لیا اور جانتا
کی موت سے زندہ ہو کر نشاۃ ثانیہ حاصل کیا لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس
روح کا مکمل اثر لے کہ خود اسی روح کا جسمہ نہ جانوالی کہ یہی مخصوص
ہستیاں سمجھی جاسکتی ہیں جن میں بھی تفرقہ و امتیاز کی بنا پر افضل و اکمل ہستی
ایک ہی ہوگی اور کوئی نہیں۔

بے شک افراد اسلام کی سیرت زندگی ہمارے سامنے ہے، تاریخ
کے ادراک اُن تمام حوادث و واقعات کو اپنے نقوش و الفاظ کی ظلم
سے محفوظ کئے ہوئے ہیں جو خود ہماری آنکھوں کے سامنے نہ ہوئے تھے
اور افسانہ ماضی بن چکے ہیں۔

اُن میں بعض تو ایسے تاریک مرقع ہیں کہ جنکی طرف دیکھ کر خود بخود
آنکھ بند ہو جاتی ہے اور منہ پھر جاتا ہے بعض ایسے ناقص اور غیر مکمل جسم
سامنے آتے ہیں جن میں محاسن کے ساتھ عیوب و نقائص کی شرکت
سے خط و خال بگڑا ہوا نظر آتا ہے اور نمونہ عمل بننے کے قابل نہیں۔ بعض
اتنے مدہم نقوش ہیں کہ جو صاف نظر نہیں آتے اور جنہیں کفر و اسلام
کا امتیاز مشکل ہوتا ہے۔

حجاج بن یوسف ثقفی۔ عبد الملک بن مروان۔ ولید بن یزید بن معاویہ

معتصم۔ منصور۔ متوکل وغیرہ ایسے وہ افراد کہ جنھیں عام ذہنیوں نے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کیساتھ اذلالہ امر منکم کا مفاد قرار دیکر مسلمانوں کا قبلہ اطاعت اور کعبہ توجہ بتلایا ہو کیا یہی ایسے نمونے ہیں جن کو عالم کے سامنے پیش کر کے ہم اسلام کی روحانیت اخلاقیات صداقت و حقانیت کے سامنے آکر تسلیم خم کرنے کی دعوت دین اور ان ہی کے طرز عمل یعنی سفاکی، خونریزی، امن و اطمینان کے ساتھ دشمنی یا عیاشی شہوت رانی خواہش پرستی یا خود غرضی نفسانیت جانبداری کو مٹانے میں پیش کر کے یہ دعویٰ کریں کہ اسلام دنیا میں سستہ اخلاق اور بلند تعلیمات کا حامل و علمبردار اور انسانی ترقی و تہذیب کا ذمہ دار بن کر آیا ہے۔

یا اس سے آگے بڑھ کر شاہانہ شان و شوکت اور ملوکانہ چشم و خدمت سیاسی جوڑ توڑ، مکاری، چال بازی یا اپنے مفاد کے لئے قوم مذہب کے مفاد کو پامال کر دینے کی تعلیم کو ناز و افتخار اور مسرت کی نگاہ پیش کر کے اسلام کی روحانیت اور علمی تربیت کے کوس لیں الملک بن جانے کی جرات کریں یا اور آگے جا کر حریت مساوات کی مفیدری، اخوت اسلامی کی بے احترامی۔ قبیلہ بندی اور اپنے قوم و قبیلہ کی بانی بنڈن کی نگاہ جانبداری آزادی رائے کو سلب کرنے کے ساتھ جبر و تشدد کی کار فرمائی، حق گو یوں

کی زبان بندی اور انکی دل آزاری معاہدے کے خلاف اور زہی اور جہو
 کے جذبات کی پامالی یہ ہے جو اسلامی تعلیمات کے نمونے میں پیش کیجائے؟
 یا اسلام کی روحانیت و صداقت کی بہترین سند اور اسلام کی تعلیم
 اخلاقی و تہذیب اجتماعی کی ممکن ساز و نیاہنی فتوحات کو قرار دے لیا
 جائے جن میں اسلام کی تلوار جارحانہ صورت سے دنیا کے امن امان کو
 خاک میں ملا رہی تھی اور اس پس کے ہمسایہ اقوام کو تباہ کر کے اپنی
 سلطنت اور حدود مملکت میں اضافہ کر رہی تھی اور جس نے ہمیشہ کیلئے
 اسلام کے پاک دامن پر یہ وجہ لگا دیا کہ وہ امن امان کا دشمن ہے۔ اور یہ کہ تلوار
 کے نور سے پھیلا رہی؟ یا اس علم دوستی و ادب پروری کو اسلامی تعلیمات کا نوجھا
 جائے۔ جو کتب خانہ اسکندریہ کے تباہ ہونے کی صورت میں ظاہر ہوئی
 جس کی وجہ سے علم دوست اقوام یہ کہنے لگے کہ اسلام ظلم کا دشمن ہے۔
 یا اسلام کی سچائی و روحانیت کا ثبوت ذاتی نفوذ و اقتدار جاہ طلبی
 اور شخصیت پروری حقداروں کے حقوق سے چشم پوشی اور حق طلبی کو خلاف
 جبر و تشدد، تحریف و تہدید، ظلم و استبداد، نا انصافی اور غیر رواہاری
 وغیرہ ایسے اوصاف کو سمجھائے جنکے واقعات تاریخ اسلامی میں صاف
 طور سے محفوظ ہیں۔ آخر پھر کوئی بتائے کہ غیر اسلامی دنیا کے سامنے ہم
 اسلامی تعلیمات کے عملی نتیجہ کی کس طرح روشناسی کرائیں اور کس طرح ہم

ثابت کرین کہ اسلام علی مذہب ہے اور ایسے افراد ہیں جنہوں نے اس کے تعلیمات پر اس طرح عمل کیا کہ وہ اس کی محسم مثال بن گئے۔

بیشک اس کے لئے دنیا سے اسلام میں چند ہی مستیان ہیں نیک علی اوصاف محامد و خصال اور اخلاق و عادات کا آئینہ اتنا صاف اور بے عیب جس میں کوئی وہبہ نظر نہیں آتا۔ اور انہیں ممتاز و نمایاں ہستی رسول اسلام کے حقیقی جانشین اور ملت اسلامیہ کے واحد رہنما حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب کی ہیں۔

ضرورت ہے کہ دنیا آپ کی سیرت زندگی۔ اوصاف کمالات اور افعال و اعمال کو دیکھئے سمجھئے اور غور کرے، اُن کے عظیم نکات اسرار تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ اور دنیا کے سامنے پیش کرے۔ بیشک علی ہی کی ہستی وہ ہے جس کا اتباع ملت اسلامیہ کے ارتقاء و روحانی اور تہذیب و شانگی اور عظیم ملی کا ذمہ دار ہے اور یہی ہستی وہ ہے جس کو دنیا کے سامنے پیش کر کے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یہ ہے، "دنیا کا انسان کامل" اور یہ ہے عالم انسانیت کا معلم اعظم۔

علی نقوی النقی عفی عنہ

